بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

عالَم کا مستقبل آج اسلام کا ہے!

اگر کل یہ ایک خواب تھا' تو آج یہ بات عیاں ہے کہ اس خواب کے حقیقت بن جانے کی گھڑی بہت قریب آگئی ہے۔ کب؟ اس کا علم تو اسی وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے جس کے دستِ قدرت میں آسمان سے زمین تک ہر امر کی باگ ہے۔ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ لیکن جس کی نگاہیں تاریخ کے باطن میں جھانک سکتی ہیں' اور جو نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج آشنا ہے' وہ جانتا ہے کہ یہ گھڑی ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' آسمان اور زمین اس سے بوجھل ہیں (الاعراف ۷: ۱۸۷)' کا مصداق بن چکی ہے۔

اس لیے کہ یہ نبوتِ محمدیؐ کا ناگزیر تقاضا ہے' اور اس کا ظہور پذیر ہونا اٹل ہے۔ حضورؐ جمیع انسانوں کی طرف' سارے عالموں کے لیے' اور رہتی دنیا تک کے لیے رسول' نذیر اور رحمت ہیں۔ اور "اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔" وقت لگ سکتا ہے' نوشتہ الٰہی ٹل نہیں سکتا۔

اس لیے بھی کہ نبوتِ محمدیؐ کا مشن روزِ اول ہی سے عالمی انقلاب کی منزل رہا ہے۔ آمنہؓ کے پیٹ سے نور کا نکلنا ہو جس نے ارضِ شام کو روشن کردیا' یا ولادتِ نبویؐ کے وقت کسریٰ کے محل کا زمیں بوس ہونا' ہجرت کے پُرخطر سفر کی بے سروسامانی کے عالم میں سُراقہ کو کسریٰ کے

کنگنوں کی بشارت ہو' یا غزوۂ احزاب کے لیے خندق کھودتے ہوئے روم و ایران اور شام و یمن کی فتوحات کی نوید' شاہانِ عالم کی طرف قبولِ اسلام کے دعوت نامے ہوں' یا سلطنت روما سے جنگ کے لیے تبوک کا سفر ـــــ یہ سب اسی مشن کی آرزو' جستجو اور تکمیل کے مظاہر ہیں۔

اس لیے بھی کہ' حضورؐ کے بعد' آپؐ کے مشن کی امانت آپؐ کی اُمت کے سپرد ہے۔ اسی لیے اس اُمت کو اپنے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے بنایا گیا ہے (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)' بہترین امت (خَیْرَ اُمَّۃٍ) قرار دیا گیا ہے۔ رسولؐ کے بعد' رسولؐ کی طرح' انسانوں کے سامنے گواہ بنایا گیا ہے (لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ)' اور اللہ کی خاطر قسط و عدل قائم کرنے (قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ)' اور اس پر گواہ بننے (شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ) کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں کارِ رسالت' اُمتِ مسلمہ کے ہاتھوں ہی انجام پانا ہے۔ وہ لوگ انجام دیں جن پر آج امت مشتمل ہے' یا اللہ تعالیٰ امت میں نیا خون داخل کرے' اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے' یہ کام بہرحال انجام پانا ہے۔

ادھر خود عصرِ حاضر کی روح مضطرب اور بے تاب ہے کہ شرعِ پیغمبرؐ آشکارا اور غالب ہو۔ مغرب نے انسان کی بلوغت اور خودمختاری کا اعلان کیا' اس کو کسی بھی بالاتر' اور بالخصوص خدائی ہدایت سے مستغنی قرار دیا' خدا کو پبلک زندگی سے بے دخل کیا ـــــ گویا انسان کو انسان کا خدا بنایا ـــــ اور بڑی محنت سے ایک نیا عالم تشکیل دیا۔ لیکن دو صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی ہیں کہ آج وہ عالمِ پیر مر رہا ہے' اور انسان بے چینی سے ایک جہانِ نو کی پیدائش کا انتظار کر رہا ہے۔

خدا سے مستغنی ہو جانے کے بعد' انسان نے اپنے دل و زندگی کو اور خدا کی زمین کو فساد اور خوں ریزی سے بھر دیا ہے۔ روز نت نئی خواہشات کی طلب ہے' ہر طلب میں روز بروز اضافہ ہے' ہر چیز زیادہ سے زیادہ چاہیے' اور جو کچھ چاہیے وہ جلد از جلد ملنا چاہیے۔ انسان ہوں یا ٹیکنالوجی' زمین ہو یا کائنات' ہر چیز صرف خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ ہر سینہ میں لالچ و حسد کی آگ جل رہی ہے۔ خدا کو بھول کر انسان خود اپنی بھلائی سے غافل ہو گیا ہے۔

زمین کے فاصلے سکڑتے جا رہے ہیں' مگر انسانوں کے درمیان نفرت اور لاتعلقی کی ناقابلِ عبور خلیجیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ صدی انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ خونی صدی ہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں ۸۴ لاکھ' دوسری میں ۶ کروڑ' کوریا اور ویت نام جیسی مقامی جنگوں' انسانی جبر و استبداد کے ہاتھوں اور رنگ و نسل کے خداؤں کی خاطر' ان سے بھی کہیں زیادہ انسان موت کے گھاٹ اتارے گئے ہیں' اور ان سے کئی گنا زیادہ تعداد اپاہج بنائی گئی ہے۔

انسان تاریخ میں پہلی دفعہ ایسے ہتھیاروں سے لیس ہے کہ ایک بٹن دبا کر پوری نسلِ انسانی کو چشم زدن میں ہلاک کرسکتا ہے۔ خاندانی زندگی اس طرح ٹوٹ پھوٹ گئی ہے کہ صرف انگلینڈ میں ایک تہائی بچے شادی کے بغیر ناجائز پیدا ہورہے ہیں' ۲۰ فیصد بچوں کا خاندانوں میں کوئی باپ نہیں ہے' آدھی عورتیں شادی سے پہلے اپنے شوہروں سے جنسی تعلقات قائم کرچکی ہوتی ہیں' ہر دوسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں میں سنگین جرائم میں روزبروز اضافہ ہورہا ہے۔ بینکنگ کا نظام' جس کے بل پر معاشی ترقی قائم ہے' ایک بلبلے کی طرح ہے: آج جس بینک کے دروازے پر بھی سارے کھاتے دار اپنی رقم واپس مانگنے پہنچ جائیں' اس بینک کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ بظاہر انتہائی محکم نظاموں میں بھی' سیاسی لیڈروں سے ایک عام مایوسی اور بداعتمادی پیدا ہوچکی ہے۔ اپنی خواہشات کی بے لگام تکمیل کی دھن میں دنیا کے ماحول کو ایسا زبردست نقصان پہنچ رہا ہے جو عین ممکن ہے ناقابلِ تلافی اور تباہ کن ثابت ہو۔

دورِ جدید کے انسان کے اوپر ایسے بے شمار مسائل کا اتنا بھاری بوجھ ہے کہ کوئی تنکا بھی اس کی کمر توڑ سکتا ہے۔ ان مسائل کی جڑ خدا بیزار تہذیب ہے' اور انسانی زندگی میں جب خدا کا خانہ خالی ہوتا ہے تو اس میں بے شمار جھوٹے خدا براجمان ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہ جھوٹے خدا بھی مافوق الانسانی صفات کے حامل سمجھے جاتے تھے' اور خدائے واحد کی قربت کا ذریعہ بھی۔ اب انسان نے اتفاق (chance)' قانونِ قدرت' ذرائع پیداوار' جنس' سوسائٹی' کلچر' ٹیکنالوجی' نسل' رنگ' قوم' اور وطن جیسے بہرے' گونگے' بے جان بتانِ نو کو اپنے مقدر کا مالک سمجھ لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز وہ تباہی کے گہرے سے گہرے گڑھے میں گرتا جارہا ہے۔ اس سے نجات کی راہ صرف خدائے واحد ہی کو خدا اور رب بنانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسی سے وحدتِ انسان اور امن و سلامتی کی نعمتیں اس کو نصیب ہوں گی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اب غلبۂ اسلام کے بغیر عالم کا کوئی مستقبل نہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ خود مغرب' جو اس دورِ جدید کا معمار ہے' اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا دور اب عالمِ پیر بن کر موت کے کنارے پہنچ چکا ہے' اور انسانیت ایک جہانِ نو کی تعمیر کے بغیر بچ نہیں سکتی۔ بڑے زوروشور سے "نیو ورلڈ آرڈر" کا نعرہ' مغرب کے اس اعتراف کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۱ ستمبر' ۱۹۹۰ کو امریکی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر جارج بش نے کہا تھا: "ہم آج ایک منفرد اور غیرمعمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ خلیج کا بحران بلاشبہ بہت خطرناک

اور گھمبیر بحران ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک نادر موقع بھی فراہم کررہا ہے۔ . . . ان آفت زدہ ایّام کے غبار سے ہمارا پانچواں مقصد برآمد ہوسکتا ہے ـــــ یعنی ایک نیا عالمی نظام . . ." اور ۶ مارچ ' ۱۹۹۱ کو خلیجی جنگ میں کامیابی کے فوراً بعد انھوں نے دعویٰ کیا کہ "اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے ابھرتا دیکھ رہے ہیں۔" اگست ۱۹۹۰ سے مارچ ۱۹۹۱ تک' صدر بش نے ۴۲ بار اپنے بیانوں اور تقریروں میں پورے زوروشور سے اس جہانِ نو کی تعمیر کو مستقبل کی امریکی پالیسی کی اساس قرار دیا۔

مغرب اس نئی دنیا کی تعبیر بڑے خوش نما الفاظ میں کررہا ہے۔ صدر بش کے الفاظ میں: "ایک ایسا نیا دَور' جو طاقت کے استعمال کے خطرات سے پاک ہو' جو انصاف کے قیام کے لیے قوی اور توانا ہو' اور جس میں امن و سلامتی کا حصول زیادہ ممکن ہو۔" بظاہر تو مغربی لیڈر اور دانشور کہتے ہیں کہ یہ نئی دنیا اس لیے ناگزیر ہوگئی ہے کہ یورپ نے اقوامِ عالم کے درمیان تعلقات کا جو نظام بنایا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے' نظریاتی کشمکش بھی ختم ہوچکی ہے' قومی ریاست بھی مائل بہ زوال ہے' کمیونزم بھی شکست کھا چکا ہے' نیوکلیئر اسلحہ اور عسکری طاقت کے استعمال کا رجحان بڑھ رہا ہے' اور اس طرح امنِ عالم مسلسل تہ و بالا ہونے کے خطرے کی زد میں ہے۔

لیکن مغرب خوب جانتا ہے کہ اصل بات یہ نہیں' بلکہ انسان جہانِ نو کا ضرورت مند اس لیے ہے کہ مغرب کی بے خدا تہذیب اور اس کی عالمی قیادت اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے' اور اس کی کوکھ سے اب انسان کے لیے دکھ و الم اور تباہی کے علاوہ اور کچھ برآمد ہونے والا نہیں۔ اگر ۱۹۱۴ سے امنِ عالم بار بار تہ و بالا ہورہا ہے' تو وہ بھی اسی تہذیب کی وجہ سے۔ چنانچہ اب انسان کو امن و انصاف حاصل ہوسکتا ہے تو صرف ایک ایسی تہذیب ہی سے جو خدائے واحد کی بندگی پر قائم ہو۔ برطانوی ہفت روزہ "اکنامسٹ" کے الفاظ میں: "مستقبل میں اگر کوئی تاریخ ساز واقعہ رونما ہوگا' تو غالباً ان امور کے گرد جو غیب میں ہیں' اور جن کے علمبردار اسلامی بنیاد پرست ہیں۔" اس لیے جہانِ نو کی تعمیر و قیادت کے لیے اصل کشمکش مغرب اور اسلام کی اس خدا پرستانہ تہذیب کے درمیان ہوگی جو ہزار سال تک دنیا پر غالب رہی۔ اور تہذیبوں کے اس تصادم میں مغرب کی عالمی قیادت داؤ پر لگی ہوگی۔ ہمیں اتفاق ہے کہ مغرب کی لبرل ڈیموکریسی کی تاریخ ختم ہونے پر آگئی ہے' لیکن اب تاریخ کا ایک نیا دَور شروع ہوگا' جو اسلام کا دَور ہوگا۔

مغرب کے سیاستدان اور دانشور مستقبل کے پردے میں پنہاں اس تہذیبی تصادم کے امکان

سے خوب آگاہ ہیں' اور اس کے لیے پوری تیاری کر رہے ہیں۔

ایک طرف اس کا اظہار بعض دانشوروں کی حالیہ کتابوں اور مضامین کے انتہا پسند عنوانات سے ہوتا ہے : اسلام کی تلوار' اسلام کا خنجر' جارحیت پسند اسلام' اسلام کا غیظ و غضب' مسلمان آرہے ہیں' مسلمان آرہے ہیں' ساتویں صدی کے بعد اسلام پھر مارچ کر رہا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف سیاستدانوں اور لکھنے والوں کے اعلانات ہیں۔ بخانن (Buchanan) لکھتا ہے : "ہزار سال تک' انسانیت کے مستقبل کے لیے کشمکش اسلام اور عیسائیت کے درمیان رہی ہے۔ اکیسویں صدی میں پھر یہی ہو سکتا ہے" (نیو ہیمپ شا نر سنڈے نیوز' ۲۰ اگست' ۱۹۸۹)۔ مرفی (Murphy) کے الفاظ میں : "سرد جنگ کے بعد' اگر مسلم دنیا تصادم کی نئی سرحد بنتی جارہی ہے' تو بات یہ نہیں کہ ان سے کسی جنگ یا دہشت گردی کا خطرہ ہے' بلکہ ان کا چیلنج کہیں زیادہ بنیادی ہے۔ وہ روز بروز بڑھتی ہوئی سماجی اور سیاسی قوت ہیں جو مغرب کے مسلّمہ تصوّرات پر حملہ آور ہیں : مثلاً ترقی کے معنی' خدا اور انسان کا تعلق' اور انسانی زندگی میں ٹیکنالوجی' صنعت کاری اور اخلاق کا مقام" (لاس اینجلز ٹائمز' ۶ اپریل' ۱۹۹۲)۔ مشہور یہودی مستشرق برنارڈ لیوس (Lewis) کی رائے میں : "یہ اب واضح ہونا چاہیے کہ ہمیں ایک ایسی تحریک اور روّیہ کا سامنا ہے' جو مسائل اور ان پر کاربند حکومتوں کے ساتھ اختلاف کی سطح سے آگے جاچکا ہے۔ اب تو تہذیبوں کے تصادم سے کم کوئی چیز سامنے نہیں ! یہ ایک دیرینہ حریف کا تاریخی ردِّعمل ہے' ہمارے یہودی / عیسائی ماضی کے' ہمارے لادینی حال کے' اور دونوں کی عالمی توسیع کے خلاف" (ماہنامہ اٹلانٹک' اکتوبر ۱۹۹۱)۔

سیاست دان بھی کم صاف گو نہیں۔ سابق صدر' نکسن نے' ۱۹۸۵ میں' امریکی رسالے فارن افیئرز میں اپنے مضمون میں کہا تھا کہ روس اور امریکہ کو' اپنے تمام اختلافات کے باوجود' اسلامی بنیاد پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے باہمی تعاون کرنا چاہیے۔ سابق نائب صدر' ڈان کوئیل (Quayle) نے اسلامی بنیاد پرستی کے خطرے کو نازی ازم اور کمیونزم کے خطرے کے برابر قرار دیا۔ سابق صدر ریگن اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں :

> اسلامی بنیاد پرستی' جو لبرل سیکولر حکومتوں کی دشمن ہے' دراصل اسلامی نظام کی علمبردار ہے۔... وہ اپنے پیروکاروں کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ مخالف قوتوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تو شہید ہوں گے' اور سیدھے باغ عدن میں جائیں گے۔... اگر اسلامی بنیاد پرستی کو عروج نصیب ہوگیا تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دوچار ہو جائے گی۔

خصوصاً اگر ایٹمی اور کیمیائی اسلحہ ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ لگ گیا' اور انھوں نے اسے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا سیکھ لیا۔

نئے عالمی نظام کی حسین تصویر کے پیچھے اس کے اصل خدوخال بھی کوئی ڈھکے چھپے نہیں۔

۱ - دنیا کے تمام ملکوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے۔ امریکہ کا یہ ہدف ہوگا کہ وہ اپنے اس مقام کو برقرار رکھے۔

۲ - مغرب کے لبرل ڈیموکریسی اور منڈی کی معیشت جیسے تہذیبی تصوّرات کی حتمی فتح کے بعد' تاریخ نے اپنی منزل پالی ہے۔ اب دنیا کے ہر ملک کو انھی کو اختیار کرنا ہوگا۔

۳ - اب کسی بھی ملک کو' خصوصاً کسی مسلمان ملک کو' یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ بالاتر سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر سکے۔

۴ - تیسری دنیا میں' خصوصاً خلیج فارس میں' امریکی مفادات کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔

۵ - پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے گی۔

کوئی تعجب نہیں کہ آنے والے دَور کا نام "امریکی صدی" American Century رکھا جارہا ہے۔ ایک برطانوی مقالہ نگار ڈیوڈ مارکوانڈ (Marquand) کے الفاظ میں: "جس نئے عالمی نظام کی دھوم ہے وہ صرف امریکی نظام Pan Americana ہی ہوتا نظر آرہا ہے" (گارجین' لندن)۔ اور ایک امریکن مقالہ نگار بڑی ڈھٹائی سے کہتا ہے: "اس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہوگی جو قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ معاشرہ میں بادشاہ کی ہوتی تھی" (نیشنل ریویو)۔

بظاہر' امتِ مسلمہ اور مسلمان ملکوں کا ترقی یافتہ مغرب اور امریکہ سے کیا مقابلہ!

نہ عسکری قوت اور اسلحہ میں دونوں میں کوئی تناسب اور مقابلہ ہے' نہ دولت اور معیشت میں' نہ علم اور تحقیق میں' نہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں' نہ دنیا چلانے کی مہارت و صلاحیت میں۔ ہمارے اوپر ان کا غلبہ مکمل ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو وہ اٹھاتے بٹھاتے ہیں' ہماری فوجیں اسلحہ کے لیے کُلّیتاً" ان کی دستِ نگر ہیں' ہماری حکومتیں اور ان کے معاشی ترقی کے پروگرام ان کے قرضوں سے چلتے ہیں۔ معاشی ترقی کے تصوّرات اور ماڈل' اور اس کو جانچنے کے پیمانے بھی' ہم نے ان سے قرض لیے ہیں۔ ہمارے بچے ان کی وضع کردہ تعلیم حاصل کرتے ہیں' بلکہ بکثرت انھی کی زبان میں کرتے ہیں۔ ہمارا میڈیا ان کی فراہم کردہ خبریں اور پروگرام نشر کرتا ہے۔ ہمارے ادارے' دستور' پارلیمنٹ' بینک' مارکیٹ' کارخانے' اسکول' یونیورسٹیاں' سب ان کے تصورات

اور نقشے کے مطابق بنے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر جگہ ان کے کوکا کولا اور جین کا بھی غلبہ ہے۔

دوسری طرف ہم اندر سے بے انتہا کمزور ہیں۔ دل' مقصد' آرزو و جستجو' ذوقِ عمل اور نشاطِ کار سے خالی ہیں۔ اخلاق و کردار پست ہو چکے ہیں۔ امت کا جسد تفرقہ اور انتشار کا شکار ہے۔ سماجی بندھن ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ رشوت اور بدعنوانی دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے۔ اپنا سیاسی نظام چلانے سے' اور بحسن وخوبی اپنے ملک کا انتظام و انصرام کرنے سے عاجز ہیں۔ ہمارے حکمراں پیرِ تسمہ پا کی طرح ہماری گردنوں پر مسلط ہیں۔ نہ ہم ان کی گرفت سے اپنے کو چھڑا سکتے ہیں' نہ انھیں ہمارے علاوہ کوئی ملتا ہے جس کے اوپر وہ اپنا شوقِ فرمانروائی پورا کریں۔ عام مسلمان عزت و شرف کے تحفظ سے' بنیادی حقوق سے' امن و چین سے محروم ہیں۔ ان کو اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتیں ضائع جارہی ہیں۔

دیکھنا ہو تو اپنے ملک عزیز پاکستان ہی کو دیکھ لیجیے۔ نصف صدی سے ہمیں سیاسی استحکام نصیب نہیں۔ سیاسی لیڈر بالعموم نہ صرف نااہل ہیں' بلکہ بکاؤ مال بھی۔ ہماری فوجیں دشمن کو فتح کرنے کے بجائے اپنے ملک ہی کو مفتوح بناتی رہتی ہیں۔ ملک کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ۸۷ ہزار روپے کا مقروض ہوتا ہے' اور ملک کا ۴۲ فیصد بجٹ سود اور اصل چکانے کی نذر ہو جاتا ہے۔ فوج اور انتظامیہ کو ۳۶ اور ۱۱ فیصد دینے کے بعد' صرف ۱۱ فیصد رقم قوم کی فلاح و بہبود کے لیے بچتی ہے۔ نظامِ تعلیم نے قوم کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ دفتروں میں' اور عدالتوں میں عوام کے معاملات اس زبان میں نپٹائے جاتے ہیں جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

تیسری طرف امریکہ ہماری رہی سہی قوت کو ختم کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں تیزی سے مشغول ہے۔ مشرق وسطیٰ کا بندوبست وہ کرچکا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ کے ذریعہ مصر کا بندوبست کیا' ایران / عراق جنگ سے ایران کو کنارے لگایا' عراق کو کویت سے لڑایا' اسی بہانے سعودی عرب اور کویت کی دولت کو اپنے پاس رہن کرلیا' (خلیجی جنگ میں عربوں کے اخراجات کا اندازہ ۶۵۰ ارب ڈالر ہے)' یاسر عرفات کو اسرائیل کے دوش بدوش کھڑا کیا۔ اب اردن' شام اور دیگر عرب ممالک بھی یہی کرنے والے ہیں۔ ترکی پہلے ہی دام میں ہے۔ پاکستان کو بھی چارا ڈالا جائے گا۔ ایران اور سوڈان کے گرد بھی جال بنا جارہا ہے۔ وسطی ایشیا کے مسلم ملکوں کو سنبھلنے ہی نہیں دیا جارہا۔

جب اُمّتِ مُسلِمہ کا حال اتنا زبوں ہے تو ہماری بربادی کے مشورے اتنے زوروشور سے ان کے ایوانوں میں کیوں ہیں؟ گربہ کشتن روزِ اوّل کی پالیسی بھی ایک وجہ ہے۔ لیکن جو خطرہ مغرب

کے کارفرماؤں کو یقین دلا رہا ہے کہ فتنۂ فردا اسلام ہے جس کی آج ہی سے سرکوبی ضروری ہے' وہ احیائے اسلام کی عالمی لہر ہے' وہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے' اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلامی تحریکات اس انبوہِ عظیم کو اسی راستے کی طرف دوبارہ لے جارہی ہیں جس میں اس کی زندگی کا سامان ہے (دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکُمْ)' اور وہ خطرہ خود مغرب کے قلب میں اُمّت کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔

مغرب کے پنجے سے نکلنے کا راستہ کیسے بنے گا ؟ بظاہر مغرب کا تسلط مکمل ہے اور ان کی چالیں کامیاب۔ لیکن مغرب کی کشتی خود بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' اور مغرب کو اس کا پورا احساس ہے۔ **ومکروا و مکراللہ**' (انھوں نے اپنی تدبیریں کیں' اللہ نے اپنی)' کا وعدہ پورا ہونے کا جب وقت آئے گا' تو ان شاء اللہ اسی بھنور میں سے جہانِ نو کی پیدائش کا سامان ہوگا:

ہوائیں ان کی ' فضائیں ان کی ' سمندر ان کے ' جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر ؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

کیا ہم آج کے "منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے" کے چیلنج کا ادراک رکھتے ہیں' اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کررہے ہیں ؟ ہماری رائے میں' اس چیلنج کے چند اہم پہلوؤں کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

امت اور اسلامی تحریکات کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو' جو بحدِ استطاعت صالحیت و صلاحیت کے حامل ہوں' مستقبل کے لیے جدوجہد کی خاطر کھڑا کردیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت کے بعد' کامیابی کے لیے سب سے زیادہ ضرورت انسانوں کی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مسلمان اور اسلامی تحریکات انسانوں تک پہنچنے میں' ان کو اپنے ساتھ لے کر چلنے میں' ساتھ چلنے والوں کا تزکیہ کرنے اور ان کو با صلاحیت بنانے میں' عام انسانوں کی تعلیم و تربیت کرنے اور ان میں شریعت کا بار اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے میں' امت مسلمہ میں ہی سے نہیں ہر انسانی معاشرہ میں سے صلاح و خیر کی وہ آخری رمق حاصل کرلینے میں جو ظلم و فساد ختم کرکے نظامِ حق و قسط قائم کرنے کے کام آسکے' اور دستیاب انسانی وسائل کا صحیح اور بھرپور استعمال کرنے میں کما حقہ کامیاب نہیں ہیں۔ اس اہم ترین چیلنج کے بارہ میں بہت کچھ سوچنا اور بہت کچھ کرنا ضروری ہے۔

اس چیلنج کا جواب دیے بغیر' حکمتِ عملی اور تدبیرِ کار کے بارہ میں اکثر بحثیں ثانوی حیثیت

رکھتی ہیں، گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کے مترادف ہیں: انقلاب یا اصلاح، پہلے معاشرہ یا پہلے سیاسی جدوجہد، انتخابات یا جدوجہد، وغیرہ وغیرہ۔ جو حکمتِ عملی بھی اختیار کریں، انسان درکار ہوں گے، ان کا صحیح اور بھرپور استعمال ضروری ہوگا۔ ووٹ دینا ہوگا تو انسان دیں گے، سڑکوں پر آنا ہوگا تو انسان آئیں گے، لڑنا ہوگا تو انسان لڑیں گے۔ کیونکہ ہم انسانوں کی مطلوب تعداد کو ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب نہیں، اس لیے ان لاحاصل بحثوں سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انسان فراہم ہو جائیں گے، تو جو تدبیر اختیار کریں گے اس کے لیے درکار دیگر وسائل بھی فراہم ہو جائیں گے۔ تدبیر وہی اختیار کرنا ہوگی جو زمانہ میں رائج ہے، اِلّا یہ کہ حکمِ الٰہی کے خلاف ہو، یا یہ کہ ہم اِجتہاد سے نئی راہیں کھولیں۔

یہ تصوّر بھی صحیح نہیں کہ انبیائے کرام کا کوئی لگا بندھا طریقِ کار رہا ہے۔ اگر کوئی لگا بندھا طریقِ کار رہا ہے، وہ بس دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے لوگوں کے دل اور زندگی بدلنے اور جدوجہد کرنے کا رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ اور جدوجہد کے لیے موزوں تدابیر، وہ بھی اپنے حالات کے لحاظ سے اختیار کرتے رہے، ہم بھی کر سکتے ہیں۔

یہ تصوّر بھی صحیح نہیں کہ آج کوئی دَور بالکل مکی یا مدنی دَور کی طرح ہو سکتا ہے: ہر دَور منفرد بھی ہوتا ہے، اور متشابہ بھی۔ یہ انسانی عقل کا امتحان ہے کہ وہ اپنے دَور کو سمجھے، اپنے معاشرہ کو سمجھے، اور قرآن مجید، اُسوۂ نبویؐ اور اُسوۂ انبیائے کرام کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرے، لیکن ہر راہِ عمل کا مقصد انسانوں کو جمع کرنا، ان کو قوت بنانا اور ان کے ذریعہ جدوجہد کرنا ہی ہونا چاہیے۔

انسانوں کو ساتھ لینا ہو تو چند اصول ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے۔

ایک یہ یقین ضروری ہے کہ ہر انسان بدل سکتا ہے، ہر بدکار نیکوکار بن سکتا ہے، ہر کافر مسلمان ہو سکتا ہے، ہر مخالف ساتھ آ سکتا ہے۔ جب تک کوئی، اتمامِ حجت ہونے کے بعد (جس کا تعین کرنا بہت مشکل ہے) انکار نہ کردے، اس کی اصلاح سے مایوس ہونا جائز نہیں۔

دوسرے یہ کہ ہر انسان کو خالق نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، اس میں اپنی روح پھونکی ہے، اس کے اندر بے پناہ صلاحیتیں اور ترقی کے بے پناہ امکانات رکھے ہیں۔ انسان کو حقیر نہ سمجھنا، اس کی کمزوریوں سے زیادہ خوبیوں پر نظر رکھنا، اس کی قدر کرنا، یہ اس راہ میں مطلوب ہے۔

تیسرے یہ کہ جو انسان بدلیں گے اور ساتھ آئیں گے، وہ کبھی سرتاپا ہمارے پیمانوں پر پورا نہیں اتریں گے، نہ ہماری ساری توقعات پوری کریں گے۔ جو مزاج اور خیال کا اختلاف برداشت

نہیں کرسکتے' یا انسانوں کے ضعف' کوتاہیوں' گناہوں اور لغزشوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں' ان کے لیے انسانوں کو ساتھ لے کر چلنا بہت مشکل ہے۔ انسان سب ایک خیال کے نہیں ہوسکتے' سب کسی ایک معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔ جو جتنا آئے' جتنا کرے' اسے قبول کرکے اس کو بہتر سے بہتر بنانا ہی نبی کریمؐ کا اُسوہ رہا ہے۔

چوتھے یہ کہ انسان کی زندگی کی کنجی اس کا دل ہے۔ دل کے قفل کھل جائیں گے' اصلاح کے راستے کھل جائیں گے۔ دل دیکھنے لگے گا' آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔ دل کا مرض شفایاب ہوگا' اخلاق و اعمال اور معاشرے صحت مند ہو جائیں گے۔

پانچویں یہ کہ بہت تھوڑے انسانوں کے دل نظریہ' تقریر' یا کتاب سے جیتے جاسکتے ہیں۔ اصل فاتحِ عالم محبت ہے' دل کی نرمی ہے' گفتگو کی شیرینی ہے' اخلاق کا حسن و جمال ہے' فیاضی اور سخاوت ہے' عفوودرگزر ہے' غصہ' حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک دل ہے۔

انسانوں کو ساتھ لینے اور ساتھ رکھنے کے لیے دین کے چند اور بنیادی اصول سیکھ کر ان پر کاربند رہنا بھی ضروری ہے۔ دین یسر ہے: دین کو آسان' مشکل اور تنگ نہ بنانا' طبیعتوں کو دین کی طرف مائل کرنا' متنفر نہ کرنا' انسان ضعیف کے اوپر بوجھ ہلکے کرنا' اس پر استعداد سے زیادہ بوجھ نہ رکھنا' مطالباتِ دین پیش کرنے میں تدریج اختیار کرنا' غلو' تشدد اور تعمّق سے اجتناب کرنا کہ ان سے انحراف پیدا ہوتا ہے' --- یہ تیسیر دین کے چند پہلو ہیں۔ اعمال کو ان کے اصل مدارج پر قائم رکھنا' فرض کو فرض کی جگہ اور مباح کو مباح کی جگہ' مباح اور حلال کو حرام نہ کرنا' نفل کو فرض کا درجہ نہ دینا' اپنے اجتہاد کو اور فہم کو منشائے الٰہی یا نصوص کا درجہ نہ دینا' ایک کام کرنے کے دو طریقے ہوں تو آسان طریقہ اختیار کرنا --- یہ بھی اس زمرہ میں آتے ہیں۔

وسیع پیمانہ پر عامتہ المسلمین کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے بغیر معاشرہ میں یہ استعداد نہ پیدا ہوگی کہ اس پر احکامِ الٰہی نافذ کیے جاسکیں' نہ عام لوگ دین کی نصرت میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔ چنانچہ اس تعلیم و تربیت کے لیے کثرت سے موثر اقدامات کرنا ضروری ہیں۔

دوسرا اہم چیلنج یہ ہے کہ ہمیں مستقبل اپنا بنانے کے لیے ایک انتہائی تیز رفتاری سے بدلتے ہوئے زمانہ پر اپنی گرفت قائم کرنا ہے۔ اس تبدیلی کی باگ بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں' مغرب کے ہاتھ میں ہے۔ جیٹ اور ڈش انٹینا کے ذریعہ روز بروز سکڑتے ہوئے فاصلوں کی دنیا میں' ہر تبدیلی

--- وہ ٹیکنالوجی کی ہو' فکرواخلاق کی ہو' فیشن کی ہو --- آناً فاناً دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل جاتی ہے۔ ہر تبدیلی کے آگے بند باندھنا بہت مشکل ہے' ان کی جہت بدلی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں زمانہ کی باگ ہاتھ میں لینا اور مستقبل کی نقشہ گری کرنا ہر پہلو سے زبردست مجتہدانہ صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسی مجتہدانہ صلاحیت کے بغیر نہ ایک تہذیبِ نو کی تعمیر ہوسکتی ہے' نہ امامتِ عالم حاصل ہوسکتی ہے۔

تیسرا اہم چیلنج عورت اور نوجوان کا ہے۔ ان تبدیلیوں سے دونوں سب سے بڑھ کر متاثر ہورہے ہیں۔ عورت مستقبل کا ہراوّل دستہ ہے' وہی ہمارے دین کی آخری پناہ گاہ ہے' وہ ہماری امت کا نصف حصہ بھی ہے۔ اس کو دین کی حدود میں' معاشرہ میں اس کا صحیح مقام دیے بغیر' کیا ہم صرف ایک پہیہ سے مستقبل کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں ؟

یہی معاملہ نوجوانوں کا ہے' جو فطرتاً ہر نئی چیز قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ جس کے بن جائیں' اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں' آسمان سے تارے نوچ لاتے ہیں' پاتال میں اتر جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اُمتِ مُسلمہ میں ۳۰ سال سے کم عمر کے نوجوان ۶۰ فیصد ہیں' جب کہ ۱۶ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد ۵۰ فیصد ہے۔

آخری اہم چیلنج مغرب میں اسلام اور مسلمان کا ہے' مغرب کے اندر سے صلاح و خیر کی تمام ممکن قوتوں کو جمع کرکے ان کا وزن اسلام کے پلڑے میں ڈالنے کا ہے۔

مستقبل میں اسلام اور مغرب کی اصل جنگ' زمینی سرحدوں پر علاقے جیتنے سے پہلے' انسانی سرحدوں پر دل اور دماغ جیتنے کے لیے ہوگی۔ اس جنگ میں کامیابی ہی پر آنے والے معرکوں کے نتائج کا انحصار ہوگا۔ مغربی تہذیب کے اگلے کے مورچے عرصہ سے مسلم دنیا کے قلب میں --- جکارتا' کراچی' ریاض سے لے کر رباط تک --- قائم ہیں۔ خوش آیند بات یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں اب اسلام کی آخری سرحد بھی ایک دفعہ پھر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ مشرقی یورپ میں مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود تھیں' لیکن اب لندن سے لے کر لاس اینجلز تک بھی ان کی بڑی بڑی آبادیاں وجود میں آچکی ہیں۔ کئی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے یا بننے والا ہے۔ اسپین کے اور مشرقی یورپ میں عثمانی خلافت کے بعد' ۱۴۰۰ سال میں یہ تیسرا تاریخی لمحہ ہے جو اسلام کو مغرب تک پہنچانے کے بھرپور امکانات کا حامل ہے۔

اگرچہ اب مسلمانوں کی پشت پر اسپین کی خیرہ کُن تہذیب نہیں' عثمانیوں کی لرزہ براندام

کرنے والی فوجی قوت بھی نہیں، لیکن وہ غیر مسلم سوسائٹی کی غالب اکثریت کے پڑوسی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، کام کاج اور کاروبار کرتے ہیں، جو شہری ہیں وہ ووٹ بھی دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ وہاں اسلام کے سفیر بن کر نہیں گئے، نہ اچھے سفیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ لیکن کوئی تصور نہ کرسکتا تھا کہ نصف صدی میں برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں بے شمار مساجد موجود ہوں گی، تعلیمِ قرآن کے مدارس ہوں گے، بعض مقامات پر سڑکوں پر اذان بھی سنی جاسکے گی، اور بے شمار حلقوں کے انتخابات میں ان کا ووٹ فیصلہ کُن بن جائے گا۔ یہ صرف مشیتِ الٰہی ہی سے ممکن ہوا ہے۔

مغرب کے مسلمان اکثر باہر سے آئے ہیں، لیکن اب خود اندر سے مقامی لوگوں کے ملّت اسلامیہ میں شامل ہونے کی رفتار برابر بڑھ رہی ہے۔ ان میں عام لوگ بھی ہیں اور نمایاں شخصیتیں بھی، مرد بھی ہیں اور ان سے دگنی تعداد میں عورتیں بھی (اس پروپیگنڈہ کے باوجود کہ اسلام عورت کو پست مقام دیتا ہے اور گھر اور حجاب میں قید کردیتا ہے)۔

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد نے اہلِ مغرب کو تہذیب و روا داری، انصاف و حریت، اور انسان دوستی کے سارے نقاب چاک کرکے اصل چہرہ دکھانے پر مجبور کردیا ہے۔ برطانوی وزیرداخلہ کا اصرار ہے کہ مسلمان بائبل اور شکسپیئر کو بھی اپنائیں، فرانسیسی وزیرِداخلہ طالبات کو اسکولوں میں سر پر رومال باندھنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔ انگلینڈ میں لڑکیوں کو شلوار پہننے کی اجازت دینے پر اسکولوں کے باہر مظاہرے ہوتے ہیں، مسجدوں میں سور کے سر بھی پھینکے جاتے ہیں۔ جرمنی میں مسلمانوں کو گھروں میں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ بوسنیا کا حشر بھی سامنے ہے۔

یہ ایک تاریخی موقع ہے، اور اُمّت مُسلمہ کو اپنی اس آخری سرحد پر، جو مغرب کے قلب میں واقع ہے، دلوں اور دماغوں کے لیے برپا جنگ جیتنے، تعصب اور نفرت کی دیواریں ڈھانے، اور قرآن اور نبوت کا پیغام پھیلانے کے لیے تمام ممکن اقدامات کرنے کے منصوبے بنانا چاہئیں۔ اکثر لوگ اسلام سے ناواقف ہیں --- اور یہی تعصب و نفرت کی بڑی وجہ ہے --- ان کی ناواقفیت دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ذہنوں میں غلط تصاویر بٹھا دی گئی ہیں، ان کو صاف کرنا چاہیے۔

یہی معاملہ ہندوستان، چین، جاپان اور دیگر ممالک کا ہے، جہاں مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں، یا جہاں اسلام سے صرف ناواقفیت ہے، تعصب، نفرت اور دشمنی نہیں۔ یہاں بھی اگر اسلام کا پیغام پہنچے گا، تو ممکن نہیں کہ دلوں کو مُسخّر نہ کرے۔

جو ممالک مسلمانوں اور اسلام سے نبرد آزما ہیں' ان کے بارہ میں بہت سوچ سمجھ کر مناسب حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ عداوت کا دائرہ پھیلنے نہ پائے : حکومت اور ملک' حکمرانوں اور عوام کے درمیان امتیاز رکھا جائے۔ خود ان ممالک کی رائے عامہ کو اپنے حکمرانوں کے خلاف کھڑا کیا جائے۔ جب تک ہم معرکہ جیتنے کی پوزیشن میں نہ ہوں معرکہ برپا نہ کیا جائے' نہ مقابلہ میں غیر مطلوب شدت پیدا کی جائے۔ ہمارے اہداف ہماری نظروں میں واضح ہوں' اور ہم صبر سے ان کے لیے کام کرتے رہیں' جذبات میں اِدھر اُدھر نہ نکل جائیں۔

جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہو گا' یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی' اسی کا مشتاق ہے زمانہ

مستقبل یقیناً اسلام کا ہے' اور ہم بلاشبہ آج "ایک منفرد اور غیرمعمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔" لیکن تقدیر کے اس فیصلے نے اُمتِ مسلمہ اور اسلامی تحریکات کو ایک عظیم امتحان سے دوچار کردیا ہے۔ اس لیے کہ مستقبل' من و سلویٰ کی طرح' کسی قوم کی گود میں نہیں ٹپک پڑتا۔ مستقبل' ارادہ اور اس جدوجہد سے حاصل ہوتا ہے' جو عزم و جزم' حکمت و تدبر اور ہمت و حوصلہ سے کی جائے۔

اس جدوجہد کے لیے قوت کا سرچشمہ اعتصام باللہ کے سوا کچھ نہیں۔ ضروری ہے کہ جدوجہد کرنے والے اپنے اندر' جتنی ممکن ہو' گہری لِلّٰہیت پیدا کریں : وہ جو کام کریں صرف اللہ کے لیے کریں' اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد رکھیں' ان کے دل اللہ اور رسولؐ کی محبت سے سرشار ہوں' ان کے ہر حکم پر لبیک کہیں' وہ دل و جان سے ان کے وفادار ہوں' صرف اللہ کو فاعل حقیقی اور کارساز سمجھیں' اور ہر وقت اس سے ملاقات کی تیاری کرتے رہیں۔ اور اسی کی خاطر' مسلمانوں سے محبت کریں' ان کے حقوق ملحوظ رکھیں' اور آپس میں بنیانِ مرصوص بن جائیں۔

اتنا ہی ضروری یہ بھی ہے کہ وہ وسیع پیمانہ پر اُمتِ مُسلمہ اور ساری انسانیت کے اندر بھی گہری لِلّٰہیت پیدا کرنے کو اپنا کام سمجھیں۔ ان کو صحیح تعلیم دیں' ان کا تعلق اللہ کے ساتھ جوڑا جائے' ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پیدا کریں' انھیں اطاعتِ الٰہی کے لیے تیار کریں' ان کے دلوں میں اللہ کی طرف بھاگنے کی تڑپ پیدا کریں' اور جس جنت کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں اس ہی کی طرف دوڑ بھاگ اور مسابقت کا جذبہ غالب کریں۔

جنت اگر مطلوب ہے' تو جنت کی وسعت کے لحاظ ہی سے' دلوں میں وسعت' خیالات میں

وسعت' نگاہوں میں وسعت' مقاصد میں وسعت' روّیوں میں وسعت' اور اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ لٹانے اور مٹانے میں وسعت --- یہ وسعت دنیا اور آخرت میں اپنے مقصود کے حصول کے لیے ناگزیر ہے' جدوجہد کرنے والوں میں بھی' تمام مسلمانوں میں بھی۔

آج دنیا میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ ہم بہترین انسانی اور مادی ذخائر کے مالک ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہترین دل و دماغ اور صلاحیتیں بخشی ہیں' ہماری زمینیں سونا اگلتی ہیں' اور ہر قسم کی معدنیات سے مالا مال ہیں۔ تمام بَرّی اور بحری راستے ہمارے علاقوں سے گزرتے ہیں۔ ایک دفعہ اگر اس امت کے جسد میں نبوتِ محمدیؐ کے مشن کی روح پیدا ہو جائے' تو وہ انسانیت کو اپنے لیے منتظر پائے گی۔ مگر اُمت کا حال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر ہے' دل اور زندگیاں ان سے وفاداری سے خالی ہیں۔ انسانیت کی غالب اکثریت نے تو یہ نام سنا ہی نہیں' یا سنا ہے تو سننے کا حق نہیں ادا ہوا ہے۔ مسلمان کا راستہ بالکل واضح ہے:

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایّام ہے تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ان شاء اللہ العزیز اس کا وعدۂ علو و اِستخلاف پورا ہو کر رہے گا۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ

تزئینِ نو کے بعد' ترجمان القرآن کے دوسرے دَور کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس دَورِ نو میں ہماری تمام تر کوشش یہ ہو گی کہ ترجمان کے صفحات اس ایجنڈے کی تکمیل کے لیے وقف رہیں جس کو ہم نے جامع طریقہ سے اوپر بیان کرنے کی کوشش کی ہے' کہ آج کی ضرورت یہی ہے۔ یعنی موجودہ عالمی کشمکش میں مسلمان دنیا کے مستقبل کی نقشہ گری کر سکیں۔

فہمِ قرآن کے تحت آپ مستقبل کے بارہ میں ان بشارتوں کی روشنی دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ یہ بشارتیں بھی ہیں' آپؐ کے مشن کا بیان بھی۔ حضورؐ کی

نگاہیں اور کوششیں کس انداز میں ان بشارتوں کی تکمیل پر مرکوز رہیں' ان کی جھلک آپ "نبوت محمدیؐ کا عالمی مشن" میں پائیں گے۔ مغرب' اسلام کے بارہ میں جو کچھ سوچ رہا ہے' اس کی دو مختلف آوازیں آپ امریکہ کی مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن کے مقالے "تہذیبوں کا تصادم" اور برطانوی ولی عہد' پرنس چارلس کی تقریر "اسلام اور مغرب" میں سن سکیں گے۔

"چند لمحے' کلامِ نبویؐ کی صحبت میں" بسر کریں گے' تو اس گلدستہ میں آپ ان اقدار اور رویوں کی خوشبو پائیں گے جن سے مسلمان میں "انسان" بنتا ہے' اور شاید آپ کی توجہ جزئیات و فروعیات کے ان لات و منات سے ہٹ سکے گی جو شیطان نے مسلمان کو عالمِ کردار سے بیگانہ رکھنے کے لیے تراش رکھے ہیں۔ اس مقصد کے لیے "مدارج اعمال" کی صحیح فہم ضروری ہے' جس کی طرف بڑے موثر اور دل نشین انداز میں رہنمائی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کر رہے ہیں۔ تزکیہ کے لیے پہلا قدم محاسبہ ہے' فکر و جذبات کو انگیز کرنے والے انداز میں اس طرف رہنمائی امام غزالیؒ سے بہتر اور کون کر سکتا تھا۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالہ کے ایک ایک لفظ کو قارئین کے لیے نافع بنائے' اور لکھنے والوں اور مرتب کرنے والوں کے خلاف حجت نہ بنائے۔ جو کچھ اس میں صحیح اور اچھا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا' جو کچھ غلط ہوگا وہ ہماری طرف سے۔ مرتب کرنے والے سے زیادہ کوئی اپنی خطاؤں' کوتاہیوں اور درماندگیوں سے واقف نہیں۔ بس آپ کے کام آئے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اگر آپ خطوط کے ذریعے نقد و نظر اور مشوروں سے ہماری رہنمائی کریں گے تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔